محمد یونس میئو لیکچرار اسلامیات

"قرآن کا فلسفۂ عشق و محبت اور ہم"

عشق اگرچہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ لیکن یہ لفظ قرآن میں نہیں آیا۔ نہ احادیث میں اسکا سراغ ملتا ہے۔ حتیٰ کہ شعراء جاہلیت نے بھی اس لفظ کو درخور اعتنا نہیں سمجھا۔ متاخرین نے گاہے گاہے اس کو منہ لگایا ہے لیکن مجموعی طور پر عربی شاعری نے اسے قبول نہیں کیا۔ یہ فارسی شعراء کا احسان مند ہے یہیں سے یہ لفظ اردو زبان و ادب میں دخیل ہوا۔ مولانا جلال الدین رومی اور علامہ اقبال نے اس لفظ کو چار چاند لگائے۔ قرآن مجید میں عشق کا مترادف یا متبادل لفظ "حب" نازل ہوا ہے۔

قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله

قدیم و جدید مفسرین حضرات نے اس لفظ کا ترجمہ "محبت" کیا ہے۔ بعض مقامات پر قرآن نے ایمان والوں کی اللہ سے محبت کیلئے اشد حب للہ کے الفاظ تو استعمال کیے ہیں لیکن عشق کی اصطلاح سے گریز کیا ہے۔ اسی طرح ہمارے مفسرین نے اشد حباً کا ترجمہ عشق کی بجائے" سخت محبت" اور "زیادہ محبت" کے الفاظ سے کیا ہے۔ حالانکہ بعض بزرگوں نے محبت کے چھ درجات بیان کیے ہیں۔ مثلاً رحجان، میلان، دلچسپی، محبت، عشق اور جنون۔ اس ترتیب میں محبت سے اگلا قدم سخت محبت یعنی عشق ہی ہے اس کے بعد تو صرف جنون کا عہدہ ہی ہے جو میاں "مجنوں" کیلئے مخصوص ہے۔ ے ایک دوسری آیت میں۔۔ (ان اللہ یحب التوابین و یحب المتطہرین) میں ان حضرات نے یحب کا معانی پسند کرنا اور دوست رکھنا بھی کیا ہے۔ بہر حال محبت کرنا، پسند کرنا اور دوست رکھنا کوئی معنوی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ معنوں کی یہی ترتیب احادیث میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

لا یومن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ (۶)

لا یو من احدکم حتیٰ یحب لاخیہ مایحب لنفسہ (۷)

اول الذکر روایت میں علامہ عثمانی نے حب کا معنی محبت اور موخر الذکر میں اس لفظ کا ترجمہ چاہنا اور پسند کرنا لکھا ہے۔ (۸) امراؤ القیس (۹) جو سبع معلقات (۱۰) کا پہلا شاعر ہے اپنے معروف قصیدہ (معلقہ) میں اپنی محبت اور محبوب کیلئے "حب" اور "حبیب" کے الفاظ لاتا ہے۔

اغرک منی ان حبک قاتلی — وانک مہما تامری القلب یفعل (۱۱)

قفا نبک من ذکریٰ حبیب و منزل — بسقط اللویٰ بین الدخول فحومل (۱۲)

"یقیناً تو اس بات پر مغرور ہے کہ تیری محبت مجھے قتل کر دے گی۔ اور میرے دل کو جو تو حکم دیگی اسے کرتے ہی بنے گی"۔ "ٹھہرو محبوب اور اس کے گھر کی یاد میں تھوڑا سا رولیں، اس کا مکان سقط اللوی میں ہے۔ جو دخول، حومل، توضح اور مقراط مقامات کے درمیان واقع ہے"۔

ایک اور شعر میں شاعر نے اپنی نفسانی خواہشات اور حیوانی جذبات کی ترجمانی کے لیے "ہوا" کا لفظ استعمال کیا ہے۔

تسلت عمایات الرجال عن الصبا　　　ولیس فوادی عن ھواک بمنسل (۱۳)

یہ لفظ قرآن میں موجود ہے چند آیات کے ضمن میں اس کے معانی و مطالب میں غور فرمائیں۔

افرءیت من اتخذ الھہ ھواہ (۱۴)

"بھلا دیکھ تو جس نے ٹھہرالیا اپنا حاکم اپنی خواہش کو" (ترجمہ شیخ الہند)

فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھویٰ (۱۵)

سو تو حکومت کر لوگوں میں انصاف سے اور نہ چل جی کی خواہش پر۔ (شیخ الہند)

ولا تتبع اھواء الذین لا یعلمون (۱۶)

اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔ (مولانا مودودی)

ولا تتبع اھواءھم واحذرھم (۱۷)

اور نہ پیروی کریں ان کی خواہشات کی اور آپ ہوشیار رہیں ان سے۔ (کرم شاہ)

اس کے علاوہ یہ لفظ "ھوا" سورۃ البقرہ کی آیت ۱۲۰، سورۃ مائدہ کی آیت ۷۷، سورۃ انعام کی آیت ۵۶، سورۃ ابراہیم کی آیت ۴۳، سورۃ قصص کی آیات ۱۰ اور ۵۰، سورۃ شوریٰ کی آیات ۱۵ اور سورۃ سبا کی آیت ۲۸ میں بھی وارد ہوا ہے۔

ان تمام آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن نے یہ لفظ اسی مفہوم میں لیا ہے۔ جس میں جاہلی شاعر نے۔ اس مقام پر امراءالقیس کی ادبی رسائی کا جواب نہیں اس مرحلہ پر ہماری توجہ علماء اصول تفسیر کی خدمات کی طرف مبذول ہوتی ہے جنہوں نے تفسیر قرآن کیلئے دیگر جملہ علوم کے ساتھ ساتھ جاہلی شعراء کے حالات زندگی، ان کی شاعری اور اس کے پس منظر کا مطالعہ لازمی قرار دیا ہے۔ امراءالقیس نے اسلام سے چالیس سال پہلے کا زمانہ پایا۔ (۱۸)۔ ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں فرمایا تھا۔ "اشعر الشعراء قائدھم الی النار" (۱۹) یعنی وہ شاعروں کا سرتاج تو ہے ہی لیکن جہنم کے مرحلہ میں ان سب کا سپہ سالار بھی ہے۔ بہر حال "عشق" قرآن وحدیث میں مذکور نہیں ہے۔ شاید یہ لفظ اسلامی ادبیات کے اسلوب اور ادبی وجاہت پر پورا نہیں اترتا تھا اس لفظ کی مسخ شدہ صورتیں بھی اس قول پر دال ہیں۔

آیت قل ان کنتم تحبون اللہ ----- یحببکم اللہ میں یہ امر لائق توجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محبت کے بعد اطاعت کا ذکر کیا ہے اور اطاعت کو محبت کی دلیل قرار دیا ہے۔ اسلام ایک

سائنٹیفک دین ہے، جس طرح اپنے ہر دعویٰ کی دلیل پیش کرتا ہے اسی طرح دعویٰ کی دلیل بھی طلب کرتا ہے۔ پس جو لوگ اللہ اور رسول کی محبت کے دعویٰ دار رہے ہیں۔ یا ہوں گے۔ ان کے قول کی تصدیق یا تردید قرآن کے اسی اصول کی بنیاد پر کی جائیگی۔

"محبت ایک مخفی شے ہے۔ کسی کو کسی سے محبت ہے یا نہیں کم ہے یا زیادہ ہے اس کا کوئی پیمانہ بجز اس کے نہیں کہ یہ دیکھا جائے کہ عشق و محبت کے دعویٰ دار اپنے محبوب کی کتنی اطاعت کرتا ہے اللہ اور رسول کی محبت کی کسوٹی قرآن نے اتباع محمدی بیان فرمائی ہے۔(۲۰)

اس اصول کو سمجھنے میں عام طور پر جو غلطی سرزد ہوئی ہے وہ یہ کہ آج صرف ظواہر اسلام نماز، روزہ، حج، زکوۃ یا زیادہ سے وضع قطع میں آنحضرت کی اطاعت واتباع ہی کو کافی سمجھ لیا گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ مبادیات اسلام (عبادات) ہیں ان سے غفلت فسق وفجور اور انکار کفر ہے لیکن یہ عبادات بذات خود مقصود ہیں؟ یا مقاصد عالی کے حصول کا ذریعہ اور طریقہ بھی ہیں۔ قرآن نماز، روزہ کے مقاصد خود بیان کرتا ہے۔

ان الصلوۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر (۲۱)

یا یھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون (۲۲)

اسی طرح فلسفہ زکوۃ اور حج سے بھی بہت سی معاشی، معاشرتی، اخلاقی اور روحانی اصلاحات مقصود ہیں اور تو اور جہاد جسے یورپ بنیاد پرستی اور دہشت گردی کا نام دیتا آیا ہے اس کا مقصد بھی فتنہ وفساد کی بیخ کنی اور امن واحترام کی فضا کرنا ہے

وقتلوھم حتیٰ لاتکون فتنۃ ویکون الدین للہ (۲۳)

گویا عبادات کے اس جامع اور پاکیزہ نظام کا مقصد انسان کے باطنی احوال صبر، شکر، توکل، رضا، احسان، نیکی، محبت، سخا، ایثار، سچائی، خلوص، زہد، اتحاد، یقین، نظم اور دیگر اخلاق حسنہ کی طرف مائل کرنا نیز اخلاق رذیلہ شہوت، غضب، حقد، حسد، حب دنیا، حب جاہ، بخل، حرص، ریا، غرور اور تکبر جیسے افکار بد کا ازالہ کرنا ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے "حقیقت تصوف" کے دیباچہ میں بڑی کام کی بات لکھی ہے۔

"اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ظاہری اعمال سب ہی باطن کی اصلاح کیلئے ہیں اور باطن کی صفائی مقصود و موجب نجات اور اس کی کدورت موجب ہلاکت ہے" (۲۴)

قد افلح من زکھا و قد خاب من دسھا (۲۵)

پس لازم ہے جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ دار ہے۔ وہ اپنے ظاہر کے ساتھ ساتھ باطن پر بھی خصوصی توجہ دے۔ ظاہر و باطن کی بحث کا رخ اطاعت و محبت کی طرف پھیریئے تو معلوم ہوگا کہ محبت کا تعلق باطن سے ہے اور اطاعت کا تعلق ظاہر سے نتیجہ یہ نکلا کہ نجات کیلئے ظاہر و باطن یعنی محبت واطاعت کا متحد ہونا اور ساتھ ساتھ چلنا نہتائی ضروری ہے۔ ورنہ آپ جانتے ہیں کہ بغیر محبت کے اطاعت بڑی منافقت ہے اور اس کی اکی مثال عبداللہ بن ابی اور اس کے

منافق دوستوں کا طرز عمل ہے۔ دوسری طرف یہ بھی یاد رہے کہ صرف محبت ہی نجات کیلئے کافی نہیں ہے اور اس کی ایک مثال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب ہیں لیکن بہر حال فقط محبت کا بھی کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہو گا۔(۲۶) یہی وجہ ہے کہ صحابہ تابعین، تبع تابعین، اولیاء اللہ، صوفیا و مشائخ اور علماء حق نے اللہ اور رسول سے محبت بھی کی اور اطاعت بھی کی۔ سچا عاشق وہی ہے۔ جو سچی اطاعت و اتباع کا خو گر ہو۔

سہیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"محبت یہ ہے کہ تو اطاعت گزاری پر قائم رہے اور محبوب کی مخالفت سے دور رہے"(۲۷)

ابو عبداللہ قرشی کا فرمان ہے کہ "حقیقی محبت یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو کلیۃً محبوب کے حوالے کر دے یہاں تک کہ تیرے پاس اپنی ذات میں سے کچھ بھی نہ رہے"(۲۸)

ے جنید رحمہ اللہ کا قول ملاحظہ ہو "محبت یہ ہے کہ خواہ تجھے محبوب سے کچھ بھی نہ ملے پھر بھی تمہارا میلان ے اسی طرف رہے"(۲۹) حضرت شبلی ارشاد فرماتے ہیں۔ "محبت کو محبت اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ دل سے محبوب کے سوا تمام چیزوں کو محو کر دیتی ہے"۔(۳۰)

حضرت علی رضی اللہ تعالی سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنی محبت تھی؟ آپ چنے ارشاد فرمایا "خدائے پاک کی قسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کے نزدیک اپنے جانوں، اور اپنی اولادوں سے اور اپنی ماؤں سے اور سخت پیاس کی حالت میں ٹھنڈے پانی سے زیادہ محبوب تھے"(۳۱)

اور کیوں نہ ہوتے کہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکمیل کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہو سکتا۔ صحیح بخاری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ روایت موجود ہے۔

لایومن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من والدہ وولدہ (۳۲)

ایک دوسری سند سے اس روایت کے آخر میں والناس اجمعین کا اضافہ ہے۔(۳۳)

حقیقی محبت تو اللہ اور رسول کی محبت ہی ہے۔ یہاں تک کہ اس عشق و محبت کے بارے میں ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم لکھتے ہیں کہ "اسلام عشق سے پیدا ہوا، بلکہ عشق ہی کا دوسرا نام اسلام ہے"(۳۴)

لیکن عشق کی ایک اور قسم قدیم سے چلی آ رہی ہے میری مراد عشق مزاجی سے ہے جو عام طور پر مرد اور عورت کی محبت پر مشتمل ہوتا ہے آج کل صرف متضاد صنفوں کے ظاہری اور باطنی تعلقات تک محدود ہو کر رہ گیا ہے مشرقی ادب اور لوک ورثہ میں اس کی مثالیں لیلیٰ و مجنوں، شیریں فرہاد، سسی پنوں، ہیر رانجھا اور مرزا صاحباں وغیرہ ہیں۔ یہ کون لوگ تھے؟ کیسے تھے؟ ان کے آباد اجداد کی تفصیل کیا تھی؟ ان کا کردار کیا تھا؟ ان کا انجام کیا ہوا؟ اور عاشق و معشوق کے خاندانوں اور معاشرے پر ان کے عشق کے کیا اثرات مرتب ہوئے؟ اور اب تک ان کے عشقیہ کارناموں کی کیسی کیسی تاویلات ہوتی رہیں ہیں؟ ان کے روحانی وراث کون لوگ ہیں؟ یہاں ان تمام امور سے بحث نہیں ہے۔ غرض صرف یہ کرنا ہے جس چیز کو ہم عشق مجازی کے نام سے جانتے ہیں وہ عشق ہے نہ محبت ہے۔ حیوانی اور سفلی جذبات

کو عشق و محبت کا نام دینا ان لوگوں کا کارنامہ ہے جو آب حیات کے نام پر زہر ہلاہل دینے کے ماہر ہیں۔ اس کی ترویج کے لیے ہمارے (PRINT ELECTRONIC MEDIAS) کوشاں ہیں۔ نفسانی خواہشات کے مہذب اظہار کا سلیقہ ہے، دماغ کا خلل اور روح کا انتشار ہے، جوانی کا چند روزہ خمار اور معاشرہ کا بگاڑ ہے۔ یہ وہ تخریبی جذبہ ہے جس کے بارے میں مسولینی (۳۵) نے کہا تھا۔

"محبت وہ کھیل ہے جس میں عقل ہار جاتی ہے"۔

۳۶ ہٹلر (۳۶) کا قول ہے "محبت انسانی عظمت کے ستونوں کیلئے دیمک کا کام دیتی ہے" نپولین بونا پارٹ (۳۷) "میں اجتماعی مصلحتوں کی بنا پر اور مرد کی سعادت کیلئے محبت کو مضر سمجھتا ہوں"

مولانا الطاف حسین حالی اس عشق سے یوں مخاطب ہوئے ہیں۔

اے عشق تو نے اکثر قوموں کو کھا کے چھوڑا
جس گھر سے سر اٹھایا اس کو بٹھا کے چھوڑا۔ (۳۸)

اسی مخرب حیات عشق کے بارے میں حالی کی یہ رباعی بھی لائق توجہ ہے

ہے عشق طبیب دل کے ماروں کا
یا خود ہے وہ گھر ہزار آزاروں کا
ہم کچھ نہیں جانتے پر اتنی ہے خبر
اک مشغلہ دلچسپ ہے بیکاروں کا (۳۹)

فی زمانہ جذبہ عشق کی تاویلیں ہو رہی ہیں۔ اس پر ڈاکٹر خلیفہ کا تبصرہ بھی ملاحظہ فرمائیں اس تبصرہ کو ہمارے اخلاقی، معاشرتی، ادبی اور سیاسی حالات سے خاص نسبت ہے۔

"کیا عشق کی صورت کو انسانوں نے مسخ نہیں کیا؟ انسانوں کو جن جذبات نے تباہ کیا ہے ان میں ہوس بھی ہے جو عشق کا بھیس اختیار کر لیتی ہے اور اس فریب سے عشق کی تمام قوتیں تعمیر حیات کی بجائے تخریب حیات کا باعث ہوتی ہیں۔ کبھی ذوق اقتدار عشق کا جامہ پہن لیتا ہے اور کبھی ادنیٰ شہوات اپنا نام عشق رکھ لیتی ہیں"۔ (۴۰)

ہمارے شاعروں، ادیبوں اور فنکاروں کے بہت بڑے طبقے کی ادبی، فکری اور عملی صلاحتیں اسی عشق کی اشاعت میں صرف ہوتی رہی ہیں۔ آج سے چند برس پہلے کی فلموں اور ڈراموں میں ایک ہیرو اور ہیروئن نوجوان کی اخلاقی تباہی کا فریضہ بخوبی انجام دیتے تھے۔ لیکن اس کو ناکافی سمجھتے ہوئے۔ اب نئے فلمی ادب میں (سینما، ٹی وی، ویڈیو وغیرہ) کئی کئی سیٹ (جوڑے) محبت کرتے ہوئے دکھائے جاتے ہیں۔ ایسے ادیبوں، فلم سازوں اور ہدایت کاروں کے بارے میں علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

عشق و مستی کا جنازہ ہے تخیل ان کا
ان کے اندیشہ تاریک میں قوموں کے مزار

ہند کے شاعر وصورت گر وافسانہ نویس

آہ! بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار (۴۱)

اس بحث سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اسلام میں عشق ومحبت نامی کوئی چیز نہیں ہے۔ اسلام میں تصور محبت اور اس کا معیار بیان کیا جاچکا ہے عام انسانوں کے بارے میں یہ تصور اخوت انسانی، رواداری، مساوات اور انسانی ہمدردی کے جذبات سے جڑا ہوا ہے۔

اور مولانا روم اسے تمام انسانی امراض کا علاج بتاتے ہیں۔

ہر کرا جامہ زعشقے چاک شد　　　　او زحرص و عیب کلی پاک شد

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما　　اے طبیب جملہ علتہائے ما

مولانا نے اپنا فلسفہ عشق ان اشعار میں بیان کیا ہے

از محبت تلخہا شیریں شود　　　　از محبت مسہا زریں شود

از محبت خارہا گل می شود　　　　وز محبت سر کہا مل می شود

از محبت دار تختے می شود　　　　وز محبت بار بختے می شود

از محبت حزن شادی می شود　　　　وز محبت غول ہادی می شود

از محبت سقم صحت می شود　　　　وز محبت قہر رحمت می شود (۴۲)

رومی کے ہاں محبت "اخلاق حسنہ" کا مجموعہ ہے ان افکار کو ریڈیو، ٹی وی، افسانہ اور ناول کی محبت سے کیا نسبت ہو سکتی ہے اسی طرح اقبال کے ہاں بھی عشق زندگی کی صحت مند قدروں کی آبیاری کرتا ہے۔ عشق ان کے نظام "خودی" کا ایک لازمی اور بنیادی عنصر ہے جو ایمان اور یقین کے مترادف ہے۔ "بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق" اس مصرع میں "آتش نمرود" ایک تاریخی اور قرآنی تلمیح ہے اور عشق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایمان کا متبادل ہے۔

صدق حسین بھی ہے عشق، صبر حسین بھی ہے عشق
معرکہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق (۴۴)

اس شعر میں عشق کی تاویل بجز ایمان کے اور کیا ہو سکتی ہے۔ "جاوید نامہ" میں یہی بات آپ قدرے وضاحت سے کہتے ہیں۔

زندگی رشرع و آئین است عشق　　　　اصل تہذیب است دیں، دیں است عشق

دیں نگردد پختہ بے آداب عشق　　　　دیں بگیر از صحبت ارباب عشق (۴۵)

ان اشعار کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ مولانا رومی اور علامہ اقبال بھی صرف اسی محبت کے داعی ہیں۔ جس کی بنیاد دین اسلام پہ رکھی گئی ہو۔ پس عام مرد و عورت کی محبت کو مجازی محبت بھی نہیں کہا جاسکتا کیونکہ دین اسلام نے مرد عورت کے درمیان صرف چار رشتوں کا ذکر کیا ہے۔ عورت ماں ہے، عورت بہن ہے، بیوی ہے، اور بیٹی ہے۔ پس دین فطرت انہیں چار رشتوں کے حوالے سے مرد

وزن کی محبت کا تذکرہ کرتا ہے۔ آپ اس محبت کو طبعی محبت کہیں۔ عارضی کہیں، غیر حقیقی کہیں یا مجازی کہہ لیں۔

اردو لغت میں مجازی کے معانی غیر حقیقی اور غیر اصلی کے ہیں۔ یہ دنیا اور اس کے تمام لوازمات عارضی ہیں۔ یہاں کی زندگی، موت، خوشی، غمی، دکھ، درد، محبت، نفرت، جمال، کمال، زوال، خوبصورتی، بدصورتی وغیرہ اپنی اصل اور بقا کے اعتبار سے عارضی اور غیر حقیقی ہے۔ ان کی مستقل اور حقیقی شکلیں آخرت میں موجود ہیں۔ زیادہ سے زیادہ ہم انہیں نمونہ کہہ سکتے ہیں۔ کون بیوقوف نمونہ کو اصل کہے گا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی نے فضل الباری میں محبت کی پانچ اقسام بیان کیں ہیں۔

حب طبعی، حب احسانی، حب جمالی، حب کمالی اور حب عقلی۔(۴۷) یہ تمام مجازی محبت کی صورتیں ہیں۔ ان میں حب طبعی غیر اختیاری چیز ہے۔ مثلاً والدین اور اولاد کی محبت لیکن اس کا تعلق بھی صرف دنیا کی زندگی سے ہی ہے اور بعض اوقات تو دنیا ہی میں بے مزا ہوجاتی ہے۔ باقی تمام محبتوں کی بنیاد محض عارضی، وقتی اور ہنگامی نوعیت کی ہوتی ہے۔ مثلاً حب جمالی کی وجہ جمال ہے۔ یہ اچانک کسی حادثہ کا شکار نہ بھی ہو تو بھی وقت کے ساتھ ساتھ مدہم توپڑتی جاتی ہے۔ مالی و کمالی محبت کو آپ خود غرضی کہہ سکتے ہیں کہ مال و کمال کے زوال کے ساتھ ہی دم توڑ دیتی ہے۔ اگر ہم غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ تمام مجازی محبتوں کی بنیاد یا تو ہماری اغراض ہیں یا جذبہ ہمدردی وغیرہ جیسے یہ محرکات اور وجوہات ختم ہوتی ہیں ہماری وفاداریاں بھی ختم یا تبدیل ہوجاتی ہیں۔ لیکن فرسودگی دہر کے باوجود یہ مجازی محبتیں بھی انسانی زندگی کی ضرورتیں ہیں اور قرآن وحدیث میں مختلف حوالوں سے ان کا ذکر اور تاکید موجود ہے۔ مثلاً والدین کی محبت اور اطاعت اسی طرح درجہ بدرجہ بیوی، بچوں اور رشتہ داروں اور دیگر مسلمانوں سے محبت واخوت اور احسان کا معاملہ اسی جذبہ کی اعلیٰ وادنیٰ شکلیں اور ان کی معتدل صورت اسلام کا نظام حقوق وفرائض ہے۔ ان محبتوں (مجازی) کی اساس دین فراہم کرتا ہے اس لیے ان سے فرار یا نفرت شریعت کے معاشرتی اور اخلاقی پہلو سے روگردانی ہے جس کا نتیجہ عام طور پر رہبانیت کی شکل میں برآمد ہوتا ہے۔ جو اسلام کی ضد ہے۔ لیکن جب یہ محبتیں مال منال، آل اولاد اور زراعت وتجارت کی محبت کے ساتھ مل کر حقیقی محبت پر غالب آنا چاہتی ہیں تو قرآن اسے دنیا کی محبت (مجازی) سے تعبیر کرتا ہے اور انجام سے یوں خبردار کرتا ہے۔

قل ان کان آباؤکم وابناؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومساکن ترضونھا احب الیکم من اللہ ورسولہ وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتیٰ یاتی اللہ بامرہ۔(۴۸)

یہ دنیا اپنی بے ثباتی کے باوجود ملعون نہیں ہے۔ اسی پر ہماری آخرت کا دارومدار ہے معروف حدیث ہے کہ "دنیا آخرت کی کھیتی ہے"۔ اس کھیتی کو برباد کرنا اپنی آخرت کو غربت وافلاس کے حوالے کرنا ہے پس ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم دنیا اور اس کی مجازی محبتوں کو اتنی

اہمیت نہ دیں کہ ہماری آخرت اور حقیقی محبتیں بگڑنے لگیں۔ عنقریب ایک دن ایسا آنے والا ہے۔ جب دنیا اور اس کی ساری محبتیں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے فنا ہوجائیں گی۔ لیکن وہ انسان جس نے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اطاعت کی ہو گی۔ وہ ابدی اور لازوال محبتوں، وصالوں اور ملاقاتوں کا مالک ہو گا۔ وہ عاشق بھی ہو گا اور معشوق بھی لیکن جس نے دنیا کی عارضی رنگینیوں سے اپنے دامن کو آلودہ کیا۔ وہ عشق و محبت کی لذت سے دنیا و آخرت میں محروم ہوجائیگا۔ مولانا روم نے بجا ارشاد فرمایا ہے۔

۔ عشق آں زندہ گزیں کو باقی ست ۔۔۔ وز شراب جانفزایت ساقی ست

عشق آں بگزیں کہ جملہ انبیاء ۔۔۔ یافتند از عشق او کار و کیا (۴۹)

ترجمہ۔۔ "اس زندہ کا عشق اختیار کر جو سدا رہنے والا ہے اور جانفزا شراب سے تجھے سیراب کرنیوالا ہے اس کا عشق اختیار کر کہ تمام نبیوں نے اس کے عشق سے عزو شرف پایا"۔

حواشی و تعلیقات

۱) لوئیس معلوف، المنجد (اردو) مترجمین مولانا سعد حسن خاں یوسفی، پروفیسر عبدالصمد صارم وغیرہ، دارالاشاعت کراچی، اشاعت دوم ۱۹۶۰ء P ۸۰۶

۲) سورۃ آل عمران، آیت ۳۱

۳) سورۃ البقرہ، آیت ۱۶۵۔

۴) حافظ عمادالدین ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر (اردو)، حمیر السانیت، (لاہور) ۱۹۸۴ء، ۸۰، ۲۱۔
شیخ الہند مولانا محمود الحسن، تفسیر عثمانی، تاج کمپنی، لاہور سن ندارد، ۴۰
مولانا مفتی محمد شفیع، معارف القرآن جلد اول، ادارۃ المعارف کراچی، ۱۹۸۲ء P ۴۰۸۔
مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، جلد اول (تفہیم القرآن) ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، اشاعت پنجم، ۱۹۸۵ء، ۱۳۱
پیر کرم شاہ، ضیاالقرآن، جلد اول، ضیا پبلی کیشنز لاہور، اشاعت پنجم، سن ندارد، ۱۱۲

۵) سورۃ البقرہ، آیت، ۲۲۲

۶) علامہ شبیر احمد عثمانی، فضل الباری شرح اردو صحیح البخاری، جلد اول، الرابطۃ العلمیۃ الاسلامیہ العالمیۃ، کراچی، ۱۹۷۳ء، ص ۳۳۶

۷) ایضاً، ص ۳۳۳۔

۸) ایضاً، ص ۳۳۶، ۳۳۴

۹) نام ابوالحارث مندج بن حجر الکندی۔ جاہلی شعرا میں ممتاز ترین، شاعری میں متعدد اصناف کا موجد۔ الملک الضلیل (گمراہ بادشاہ) اور ذوالقروح (زخموں والا) کے القابات سے ملقب۔ سیر و شکار، کھیل کود، شراب نوشی، شاہد بازی، عشق بازی اور عورتوں سے معاملہ بندی اور

فحش گو شاعر۔ اپنی چچازاد سے عشق کیا اور مشہور قصیدہ (معلقہ) لکھا۔ اس قصیدے کا دنیا کی متعدد زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس کا ایک دیوان بھی ہے۔ جو پہلی بار پیرس میں ۱۸۷۷ء میں شائع ہوا۔ مزید دیکھیے حاشیہ نمبر ۱۰ اور ۱۸۔

عربی میں سبع سات اور معلقات لٹکنے والی چیز کو کہتے ہیں۔ سبع معلقات سے مراد دور جاہلیت کے فحول شعراء کے شاہکار سات قصائد کا مجموعہ ہے جو دیوار کعبہ پر آویزاں کر دیا گیا تھا اور جسے عربی زبان میں فصاحت و بلاغت کا معیار تصور کیا جاتا تھا۔ تفصیل کیلئے دیکھیں پروفیسر فضل الٰہی ملک کے "مقالات" اعوان مطبوعات، پنڈ دادن خان، طبع دوم ۱۹۹۰ء، P ص ۱۳۱-۱۳۶۔

امراء القیس، معلقہ، مشمولہ "السبع معلقات" ترجمہ اردو مع شرح عربی از محمد اسماعیل سلفی، المکتبۃ السلفیہ لاہور، ۱۹۷۱ء P ۲۴۔

ایضاً ص ۲۶۔

۱۳) ایضاً ص ۴۲

۱۴) سورۃ جاثیہ، آیت ۲۳،

۱۵) سورۃ ص، آیت ۲۶۔

۱۶) سورۃ جاثیہ، آیت ۱۸۔

۱۷) سورۃ المائدہ، آیت ۴۹

۱۸) محمد اقبال، ڈاکٹر، "جناب رسالت مآب کا ادبی تبصرہ" مشمولہ مقالات اقبال، مرتب، سید عبدالوحد معینی، آئینہ ادب، لاہور، بار دوم، ۱۹۸۸ء، ص ۱۴ اس سلسلہ میں ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی کا بیان ہے۔ یہ شاعر ہجرت سے ایک صدی قبل ۵۶۰ میں فوت ہو گیا تاہم یہ بھی کوئی یقینی بات نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی نہ کوئی تحریری سند ہے اور نہ کسی مستند اور ثقہ راوی کی روایت۔ حاشیہ میں تاریخ وفات ۵۴۰ سے لے کر ۵۶۰ بیان کی ہے۔ ڈاکٹر موصوف نے صفحہ ۱۷۰ کے حاشیہ پر ڈاکٹر طہٰ حسین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ انہوں نے فی الادب الجاہلی "میں الملک الضلیل کی یہ تشریح کی ہے کہ وہ بادشاہ جس کے حالات ہمیں معلوم نہیں۔ (عربی ادب کی تاریخ) جناب احمد حسن زیات نے "تاریخ ادب عربی" میں بھی کچھ ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ عبدالرحمن طاہر سورتی کا ترجمہ شائع کردہ شیخ غلام علی اینڈ لاہور سن ندارد صفحہ حاشیہ ۱۰۷۔

۱۹) جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ادبی تبصرہ، ص ۱۴

۲۰) محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، جلد دوم، ادارۃ المعارف، کراچی، ۱۹۸۲ء، ص ۵۴، ۵۵

۲۱) سورۃ العنکبوت، آیت ۴۵۔

۲۲) سورۃ البقرہ، آیت ۱۸۳۔

۲۳) ایضاً آیت ۔ ۱۹۳۔

۲۴) منشی عبدالرحمن خان، سیرت اشرف، جلد دوم، (بحوالہ حقیقتِ تصوف)، شیخ اکیڈمی، لاہور، ۱۹۷۹، ص ۵۶۔

۲۵) سورۃ الشمس، آیت ۔ ۹، ۱۰۔

۲۶) شبلی نعمانی علامہ، سیرت النبی، جلد اول، دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۸۵، ص ۱۵۰۔ زیر بحث مسئلہ کی تفصیل و تفہیم کیلئے درج ذیل حوالے مفید ثابت ہوں گے۔ (انشاء اللہ)

ابن ہشام (مرتب) سیرت النبی، مترجم مولانا غلام رسول مہر، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، سن ندارد، ص ۴۶۶، ۴۶۷۔

ii عبدالرحمن بن خلدون، علامہ، تاریخ ابن خلدون، اول، مترجم حکیم احمد حسن آلہ آبادی، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع ہفتم، ۱۹۸۶ء ص ۵۲۔

iii طبری، ابی جعفر محمد بن جریر، تاریخ طبری، مترجم، سید محمد ابراہیم، نفیس اکیڈمی، کراچی، اشاعت پنجم، ص

iv ابن کثیر، عمادالدین، تاریخ ابن کثیر، مترجم پروفیسر کوکب شادانی اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۷ء، ص ۱۷۹، ۱۸۰۔

v ندوی، مولانا ابوالحسن، نبی رحمت، مجلس نشریات اسلامیہ، کراچی، بار سوم ۱۹۸۳ء، ص ۱۴۲۔

۲۷) ابوقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، "رسالہ قشیریہ" مترجمہ و مقدمہ وغیرہ، ڈاکٹر پیر محمد حسن، ادارہ تحقیقات، اسلامی اسلام آباد، اشاعت دوم، ۱۹۸۴ء، ص ۵۷۱۔

۲۸) ایضاً، ص ۵۷۲۔

۲۹) ایضاً، ص ۵۷۴۔

۳۰) ایضاً، ص ۵۷۲۔

۳۱) محمد ذکریا، مولانا، حکایات صحابہ، ناشران قرآن، لاہور، سن ندارد، ص ۱۷۶۔

۳۲) فضل الباری، جلد اول، ص ۳۳۶۔

۳۳) ایضاً۔

۳۴) خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر، فکر اقبال، بزم اقبال، لاہور، ۱۹۹۲ء، ص ۲۶۱۔

۳۵) اٹلی کا فاشسٹ اور سوشلسٹ لیڈر (۱۸۸۳ء ۔ ۱۹۴۵ء)

۳۶) جرمن نازی لیڈر (۱۸۸۹ء ۔ ۱۹۴۵ء) پہلی جنگ عظیم میں ایک سپاہی اور دوسری جنگ عظیم میں سپہ سالار کی حیثیت سے شرکت کی۔

۳۷) مشہور فرانسی جنرل، بادشاہ اور قومی ہیرو (۱۷۶۹ء ۔ ۱۸۲۱ء)

۳۸) حالی، الطاف حسین، بحوالہ فکر اقبال، ص ۲۹۹۔

۳۹) ایضاً۔

۴۰) ایضاً، ص ۲۹۸۔

۴۱) محمد اقبال، ڈاکٹر، ضرب کلیم، مقبول اکیڈمی، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۱۲۹۔

۴۲) رومی، جلال الدین، مولانا، مثنوی مولوی معنوی، دفتر اول، مترجم قاضی سجاد، فرید بک سٹال، لاہور، سن ندارد، ص ۳۲۔

۴۳) ایضاً، دفتر دوم، ص ۱۵۳۔

۴۴) محمد اقبال، ڈاکٹر، بال جبریل، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۹۲ء، ص ۱۱۲۔

۴۵) محمد اقبال، ڈاکٹر، جاوید نامہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۹۲ء، ص ۲۰۸۔

۴۶) فیروز اللغات اردو (جامع) فیروز سنز، لاہور، سن ندارد، ص ۱۲۰۴۔

۴۷) فضل الباری، جلد اول، ص ۲۲۷۔

۴۸) سورۃ توبہ، آیت ۲۴۔

۴۳) مثنوی مولوی معنوی دفتر اول، ص ۵۴

بقیہ صہ ۱

استہزاء اور تمسخر کی سنت کو اور مضبوط بنا دیتی ہیں ساتھ ہی وہ طبقہ جو گو فسق و فجور کا شکار نہ ہو مگر تقویٰ و تقدس کی طرف بھی کوئی خاص میلان نہ رکھتا ہو وہ بھی فسق و فجور کا غلبہ دیکھ کر ادھر مائل ہو جاتا ہے پھر وہ خالص حقانی طبقہ جو علم و اخلاص کا سرمایہ لیے رہتا ہے بے کس بے بس رہ جاتا ہے جس میں سے کمزور دل لوگ اس بے کسی کی مصیبت سے تنگ آ کر بالآخر ادھر ہی جا ملتے ہیں اور اسی طرح رفتہ رفتہ دیانت بے سیاست اپنا وجود ختم کر دیتی ہے۔ غلامی اور محکومی کے منحوس آثار رفعت و شوکت کے سارے جذبات ختم کر کے خود ہی بلاشرکت غیرے غالب آجاتے ہیں اور پھر ہر طاقتور کمزور کو کچل دیتا ہے اور خود وہ اپنے سے زیادہ طاقتور کے ہاتھوں کچلا جاتا ہے۔ ظالم مظلوم کو ختم کر دیتا ہے اور وہ اپنے سے زیادہ ظالم کے ہاتھوں فنا کے گھاٹ اتر جاتا ہے دنیا و آخرت کا خسارہ بن جاتا ہے اس لئے یہ نتیجہ صاف ہے کہ جب تک دیانت کے ساتھ سیاسی طاقت اور سیاست کے ساتھ علم و اخلاق کی دیانت نہ ہو کبھی امن و چین کا سانس نہیں لے سکتی اس لئے اسلام نے دین کی رہبانیت کو ختم کر کے اس کے ساتھ سلطنت ملائی اور سلطنت کی ملوکیت کو ختم کر کے اس کو خلافت کا جامہ پہنایا جس سے دیانت و سیاست کا حکیمانہ امتزاج قائم ہوا کہ دیانت کی بے مونسی سیاست سے ختم ہوئی اور سیاست کا جور و استبداد دیانت سے پامال ہو گیا۔ چنانچہ اسی جامعیت کی طرف کھلے اشارے فرمائے گئے احادیث نبویہ میں:

> "ملک اور دین دو جڑواں بھائی ہیں میں نرم اور سخت بنا کر
> بھیجا گیا ہوں، ہنسنے والا اور لڑنے والا ہوں"